مثنوی سحر البَیان

سحرالبیان میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ فرضی ہے۔ ہوسکتا ہے اس سے ملتا جلتا کوئی قصہ موجود ہو یا میرؔ حسن نے 'نوطرز مرصع' اور 'الف لیلہ' جیسی داستانوں سے مواد لے کر اپنی مثنوی میں سمو دیا ہو۔ اس طرح قصے میں کوئی جدت اور نیا پن نہیں ہے۔ متعلقہ عہد کے لوگوں کے ذہنی اور نفسیاتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے دیو مالائی عناصر، جنوں اور پریوں وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ بادشاہ اور رانی کی کہانی اولاد سے محرومی کا غم، عشق و محبت اور ہجر و وصال کی ڈرامائی تفصیلات، شادی بیاہ اور الف لیلوی ماحول کی تخلیق سب کچھ عام مثنویوں جیسا ہے لیکن مثالیت، معیار پرستی اور دیو مالائی عناصر کی موجودگی کے باوجود یہ مثنوی آج کے سائنسی دور میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ دراصل میر حسنؔ نے انہیں فرسودہ عناصر کو اتنی خوش اسلوبی سے ترتیب دیا اور اس میں اپنے عہد کی دھڑکنوں کو اس طرح سمویا کہ وہ ایک نئی چیز ہوگئی اور انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہوگیا کہ۔

سنو ایک کہانی بنا کر نئی　　دُر فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز　　یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

سحرالبیان حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ فرضی اور طبع زاد ہونے کے باوجود بھی حقیقت سے بہت قریب ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قصہ کو ایک کینوس کے طور پر استعمال کر کے اس پر اپنے عہد کے نقوش اجاگر کرنا چاہتے تھے اور مختلف فرضی کرداروں کے ذریعہ اپنے عہد کی چلتی پھرتی تصویر پیش کرنا چاہتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی مثنوی ایک ایسا آئینہ بن گئی جس میں ان کے مخصوص عہد کی پرچھائیاں صاف نظر آتی ہیں اور فرضی کرداروں کے چہروں کے پیچھے ہمیں لکھنوی تہذیب کی نمائندگی کرنے والے چہرے نظر آتے ہیں جو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں۔

میر حسنؔ نے اپنی مثنوی میں جس زوال پذیر تہذیب کے خدوخال ابھارنے کی کوشش کی

ہے ہمیں اس کی جیتی جاگتی تصویر اس مثنوی کے کرداروں کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یہ کردار صحیح معنوں میں لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ کردار میر حسن کی تخلیق کردہ بے روح اور کھوکھلی کائنات سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ ان کے اندر وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ایک نمائشی، ظاہر پرست اور عیش وعشرت کے دلدادہ معاشرے میں ہوسکتی ہیں ان کرداروں کی تخلیق میں میر حسن نے اپنی جذبات نگاری اور انسانی نفسیات پر مضبوط گرفت کا ثبوت دیا ہے اور انہوں نے ان کرداروں کے ذریعہ اس جاگیردارانہ معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر پیش کر دی ہے جس میں وہ سانس لے رہے تھے۔ انہوں نے اس معاشرے کا سارا زہر اور ساری گھٹن ان کرداروں کی شکل میں مجسم کردی ہے۔

سحر البیان کے خصوصی کرداروں میں بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء، ماہ رخ اور فیروز شاہ ہیں۔ کہانی بے نظیر، بدر منیر اور نجم النساء کے ذریعہ آگے بڑھتی ہے اور پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ بے نظیر ملک شاہ کا لڑکا اور اس قصے کا ہیرو ہے۔ اس میں وہ تمام ظاہری و باطنی خوبیاں موجود ہیں جو کسی مثالی شہزادے میں ہوسکتی ہیں۔ حُسن و جمال، علم وفضل اور شجاعت وبہادری ہر صفت میں وہ یکتا ہے لیکن اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ہمیں ذرا بھی متاثر نہیں کر پاتا۔ وہ بے حسی اور بے عملی کی تصویر نظر آتا ہے۔ حالات سے مقابلہ کرنے کی اس میں ذرا بھی جرأت اور تاب نہیں۔ جب بھی اس پر کوئی وقت پڑتا ہے تو وہ شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے آنسو بہاتا نظر آتا ہے۔ جب پری اسے اغوا کر کے اپنے محل میں لے جاتی ہے تو بے نظیر وہاں سے راہِ نجات ڈھونڈھنے کے بجائے آنسوؤں کا سہارا لیتا ہے اور اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے   تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے
کبھی اپنی تنہائی کا غم کرے   کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے
بہانے سے دن رات سویا کرے   نہ ہو جب کوئی تب وہ رویا کرے
کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار   کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار
غرض دل کو جوں توں لگایا وہاں   کہا اس نے جو کچھ کہا اس کو ہاں

اس طرح بے نظیر ایک انفعالیت پسند معاشرے کا کامیاب ترین نمائندہ نظر آتا ہے۔

پندرہ سولہ سال کی عمر ہی میں عشق ومحبت کی گھاتوں سے واقف نظر آ تا ہے۔ بدر منیر پہلی نظر میں اس کے بارے میں یہی رائے قائم کرتی ہے۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن　　جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

لیکن محبت کے میدان میں بھی بے نظیر ہمیں عملی انسان نظر نہیں آ تا۔ اس کی محبت صرف '' تانک جھانک '' یا ذہنی تعیش تک محدود نظر آتی ہے۔ وہ شراب کا پیالہ پینے کے بعد ہی اظہار عشق کی جرأت کرتا ہے۔ پوری کہانی میں اس کا انداز عاشق کے بجائے معشوق اور عامل کے بجائے معمول کا سا نظر آ تا ہے۔ اس لئے پہل اس کی طرف سے کبھی نہیں ہوتی۔ اس کا بدر منیر کے پیروں پہ سر رکھ دینا یا نجم النساء کی مدد سے کنوئیں سے نکلنے کے بعد اس کا نجم النساء سے لپٹ کر رونا ہمارے دلوں میں رحم کا جذبہ یقیناً پیدا کر دیتا ہے، یہ جذبہ مجبوروں، مظلوموں اور بے عمل انسانوں کے لئے تو زیب دے سکتا ہے لیکن بے نظیر جیسے رستم زماں اور بے مثال ہیرو کے لئے کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

کہانی کی ہیروئن بدر منیر کا کردار بڑی حد تک بے نظیر سے ملتا جلتا ہے کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے ہے۔ حسن و جمال میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ اسے شعروادب کا بھی ذوق ہے۔

سرہانے مجلد دھری ایک کتاب　　ظہوری، نظیری کا کل انتخاب
دھری ایک بیاض اور رشک چمن　　پراز شعر سودا و میر و حسن

وہ صحیح معنوں میں ایک زوال پذیر معاشرے کی ایک فرد نظر آتی ہے عیش وعشرت اس کی فطرت ثانیہ ہے۔ وہ کافی آزاد زندگی گزارنے کی عادی ہے چنانچہ وہ اپنے ماں باپ سے الگ باغ میں رہتی ہے جہاں وہ کنیزوں اور باندیوں کے ساتھ خوب گلچھرے اڑاتی ہے۔ کم سنی ہی میں وہ شراب کی عادی اور نسوانی شرم وحیا سے محروم دکھائی دیتی ہے۔ ایک مبتلائے محبت پر جو کیفیت گزر سکتی ہے وہ بدر منیر پر گزرتی دکھائی دیتی ہے۔ ہر گرفتار محبت کی طرح اس میں بھی رشک ومحبت کا مادہ ہے۔ جب بے نظیر اس سے پری کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنے رشک آمیز تاثر کا اظہار ان لفظوں میں کرتی ہے۔

مرو تم پری پر وہ تم پر مرے　　پس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں　　یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

اور اس قدر آپے سے باہر ہو جاتی ہے کہ جب بے نظیر اس کے پیر پر سر رکھ کر اپنی محبت کا

اظہار کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے۔

کہا چل سر اپنا قدم پر نہ دھر　　کسی کے مجھے جی کی ہے کیا خبر

لیکن جب اسے بے نظیر کی محبت کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ بھی بھرپور محبت کا اظہار کرتی ہے اور جدائی کا ایک لمحہ اس کے لئے ایک صدی کے برابر ہو جاتا ہے۔ میر حسن نے جدائی کے عالم میں بدر منیر کے دل کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ ہمیں بہت زیادہ متاثر کرتی ہے۔ لیکن ہمیں بے نظیر کی طرح وہ بھی بے عملی کا شکار نظر آتی ہے۔ بے نظیر سے شدید محبت کے باوجود بے نظیر کو پانے کی کوئی تدبیر کرنے کے بجائے وہ صرف روتی دھوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ لکھنؤ کے بادشاہوں اور شاہزادوں ہی میں اخلاقی پستی عام نہیں تھی۔ شاہی محلات کی بیگمات بھی اخلاقی قدروں سے محروم تھیں۔ غرضیکہ بدر منیر لاکھ حسین سہی لیکن اس میں وہ تیزی نہیں ہے جو اس کی بے عملی دور کر سکے۔ بے نظیر کی طرح اس کے کردار سے بھی کہانی کے ارتقاء میں کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔

سحر البیان میں سب سے زیادہ فعال اور متحرک کردار نجم النساء کا ہے۔ ایسا کردار شاید ہی اردو کی کسی مثنوی میں مل سکے۔ وہ زندگی اور حرکت کی علامت ہے۔ اس زوال آمادہ معاشرے کی جامد فضا میں اسی کے کردار سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ وہ بہت زیادہ حسین اور انتہا درجہ شوخ اور شرارتی ہے۔ وہ بدر منیر کی سہیلی اور وزیر کی لڑکی ہے۔ میر حسن اس کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں۔

تھی ہمراہ اسکے ایک دخت وزیر　　نہایت حسین و قیامت شریر
زبس تھی ستارہ سی وہ دلربا　　اسے لوگ کہتے تھے نجم النساء

کوئی اہم واقعہ آتا ہے تو وہ بے نظیر اور بدر منیر کی طرح گھبرانے اور نروس ہونے کے بجائے عملی قدم اٹھاتی ہے اور ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ پہلے وہ بدر منیر کو چھیڑتی ہے اور اس کی محبت کا امتحان لیتی ہے۔ اسے چھیڑتے ہوئے کہتی ہے۔

مسافر سے بھی کوئی کرتا ہے پیت　　مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت
تو بھولی ہے کس بات پر اے بوا　　خبر لے دوانی تجھے کیا ہوا
وہ خوش ہوگا اپنی پری کے لئے　　عبث اس پہ بیٹھی ہو تم جی دئے

لیکن جب اسے بدر منیر کی محبت کی سنجیدگی کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ اپنی سہیلی کے لئے

کام آنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اس مہم میں قدم قدم پر اس کی تیزی ذہانت اور خلوص کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ایک عورت ہوکر جس طرح ہر بلا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نظر آتی ہے وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ وہ جب بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے تو بدر منیر کے روکنے پر بھی نہیں رکتی۔ ان اشعار میں کتنی شدید انسانی ہمدردی کا عنصر ہے۔

کہا اس سے کیا کیجئے اب بھلا پڑی اب تو اپنے ہی سر پر بلا
میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول
مجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں اس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں

پھر جس طرح وہ جوگن بن کر نکلتی ہے وہ بھی اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے اور اس کے ایثار وقربانی کی کہانی سناتا ہے۔ فیروز شاہ سے محبت ہو جانے پر وہ اپنی محبت کو کامیاب بنانے کے بجائے بدر منیر کی محبت کو کامیاب بنانے کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اس طرح نجم انساء فعالیت، کارکردگی، بے پناہ ذہنی صلاحیت اور ایثار وقربانی کا نمونہ پیش کرکے اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ ابھی معاشرے میں انفعالیت کا زہر پوری طرح سرایت نہیں کر سکا ہے۔ ابھی اس راکھ میں چنگاریاں باقی ہیں۔

میر حسنؔ کی مثنوی اپنی معنویت، فضا آفرینی، کردار نگاری اور گہرے سماجی شعور کے ساتھ ساتھ اپنی زبان وبیان اور بے مثال اسلوب کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

سحرالبیان کے اسلوب میں بلا کی سادگی، روانی اور موسیقیت ہے۔ الفاظ کے ساتھ خیالات کی سادگی میر حسن کی شاعری کو نیچرل شاعری کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ لیکن یہ سادگی، اپنے اندر اتنی شگفتگی اور دلکشی رکھتی ہے کہ ہم خلاف عقل باتوں کو بھی پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے اور مثنوی کے سحر میں کھو جاتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں میرؔ کی سادگی وشیرینی اور سوداؔ کی سحر طرازی ہے۔ رواں محاورات اور ضرب الامثال سے ان کے اشعار میں اور بھی اثر پذیری پیدا ہوگئی ہے۔

اسلوب میں نرمی، روانی اور نغمگی اور گھلاوٹ پیدا کرنے کے لئے جس فضا کی ضرورت تھی وہ میر حسنؔ کو حاصل تھی۔ میر حسنؔ کے سادہ وپرکار اسلوب کی تخلیق میں ان کے جمالیاتی شعور کے

ساتھ ساتھ ان کے ماحول کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ دہلی کی سادگی اور لکھنؤ کی پرکاری کا بہترین امتزاج ہمیں ان کے اسلوب میں ملتا ہے۔ یہ پرکاری پیدا کرنے کے لئے میر حسنؔ نے بہت سے وسائل سے کام لیا ہے۔ سب سے زیادہ کارگر وسیلہ ہمیں ان کی تشبیہات کی شکل میں نظر آتا ہے۔ یہ تشبیہات بڑی حسین اور دلآویز ہوتی ہیں۔ جن میں حسن فطرت کا سارا حسن جلوہ گر ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی بیشتر تشبیہات، فطری مظاہر جیسے صبح و شام کے مناظر شفق کی رنگینیوں، شام کے دھندلکوں، چاند، سورج اور تاروں کے مختلف روپ اور شبنم کے قطروں سے تراشی ہیں۔

وہ دانتوں کی مسّی وہ گل برگ تر — شفق میں عیاں جیسے شام و سحر
تن نازنیں نم ہوا اس کا کل — کہ جس طرح شبنم میں ڈوبے ہے گل
وہ گورا بدن اور بال اس کے تر — کہے تو کہ ساون کے شام و سحر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس — کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس

میر حسنؔ نے روزمرّہ کی ادائیگی میں بھی اپنی فنکارانہ مہارت کا ثبوت دیا ہے جس سے ان کے اشعار میں اتنی جاذبیت، روانی اور فطری پن پیدا ہوگیا ہے کہ وہ ضرب المثل بن گئے ہیں اور زبان زد خاص و عام ہوگئے ہیں۔

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن — مرادوں کی راتیں جوانی کے دن
کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں — سدا ناؤ کاغذ کی چلتی نہیں
جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ دن — مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن

اس طرح میر حسنؔ کے اسلوب میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو ان کی مثنوی کو حیات جاودان بخشنے کے لئے کافی ہیں۔

☆☆☆